ڈاکٹرعقیلہ بشیر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

مثبت قدروں کا امین: ساحر لدھیانوی

Dr. Aqeela Bashir

Associate Professor, Deptt of Urdu, Bahauddin din Zakria University, Multan

Guardian of constructive thinking:Sahir Ludhianvi

Sahir Ludhianvi was born in Ludhiana Punjab on 8 March 1921 in India. He got his early education from his home town and was graduated from "Khalsa High School Ludhiana". He was quite popular for his Ghazals and Nazm's in the college. In 1943, he expelled from the college. Then, he settled in Lahore, here he completed his Urdu work. 1949 Sahir fled from Lahore to Delhi then he settled in Bombay. His most famous love affair was with "Amrita Pritam". This love reflects in his poetry. He believed in love and beauty of love. He becomes a member of Progressive Writers Movement. He was a popular poet, Hindi lyricist, and song writer. He wrote many famous songs for Indian films and got "Film Fare award's (1963 Taj Mahal, 1976 Kabie Kabie). He was good writer, human being, having constructive thinking, lastly he gave the ray of hope in his poetry.

۱۹۳۰ء اور ۱۹۸۰ء کے درمیانی نصف صدی میں جو شاعری جدیدیت سے ہمکنار ہوئی اس کے مختلف نمونوں میں ایک قدر جو مشترک تھی اسے لفظ بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔ان شعراء کے نزدیک جدیدیت بت شکنی کا دوسرا نام تھا۔ان شعراء میں جہاں فراق، جذبی، جاں نثار اختر، مجروح، مجاز، ندیم، سردار جعفری اور اختر الایمان کے نام آتے ہیں وہاں دنیائے شعر و ادب میں ایک منفرد آواز ساحر لدھیانوی کی ہے۔ساحر کی شاعری فکر اور جذبے کا حسین امتزاج لیے ہوئے ہے۔ان کے ہاں بیک وقت حسن و لطافت اور زندگی کے کھردرے پہلوؤں کا اظہار پہلو بہ پہلو اس طرح موجود ہے کہ جہاں ان کے اشعار پڑھ کر بے شمار دلوں کی دھڑکن میں اضافہ ہوتا ہے وہاں ان کے اشعار زندگی کی ستائی ہوئی مخلوق کے دکھوں کا مداوا بھی ہیں۔ایک طرف وہ لوگوں کو زندگی کی نوید سناتے ہیں اور دوسری طرف زندگی کی تطہیر کے لیے آواز بھی اٹھاتے ہیں۔وہ دنیا کو خوبصورت بنا کر اس میں ایسے لوگوں کو بسانا چاہتے ہیں جو امن اور شانتی کے خواب بُننے اور جو انسانیت کے لیے خیر کے طالب ہوں۔ساحر کی اپنی زندگی تلخیوں سے عبارت تھی مگر اس کے باوجود وہ ایک رجائی شاعر ہیں۔ان کے ہاں روشن اجالوں کی بشارت ہے۔

ان کی شاعری میں ظلم اور ناانصافی کے لیے حقارت اور نفرت جیسے جذبات ضرور موجود ہیں مگر وہ انسانی رویوں سے مایوس نہیں ہوتے۔

چلو کہ آج بھی پائمال روحوں سے
کہیں کہ اپنے ہر اک زخم کو زباں کرلیں
ہمارا راز ہمارا نہیں سبھی کا ہے
چلو کہ سارے زمانے کو راز داں کرلیں

ساحر نے سماج کو کھلی آنکھوں سے دیکھا، برتا اور پیش کیا گوشہ نشین ہونے والے شعراء سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے زندگی کو برتا اور اسے اس کے تمام رنگ و آہنگ میں سمیٹ کر پیش کیا۔ یہ رنگ کہیں روشن اور چمکدار ہیں اور کہیں ماند پڑ گئے ہیں لیکن چوں کہ یہی حقیقت تھی اور کھلی آنکھوں والا شاعر بہت دیر تک خواب و خیال کی دنیا میں نہیں رہ سکتا لہٰذا وہ علم و عمل کے ذریعے ایک تلاش کا سفر اختیار کرتا ہے جسے بالآخر اپنے فن میں سمو کر اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ ہر انسان کی زندگی کی کہانی بن جاتی ہے۔ بقول کیفی اعظمی:۔

''یہ ساحر کی فکر و فن کا مخصوص انداز ہے وہ چھوٹے چھوٹے تجربات کو اس ڈھنگ سے ترتیب دیتے ہیں کہ زندگی کے مختلف روپ، مختلف تقاضے اور مختلف محرکات واضح ہو جاتے ہیں۔''

''ساحر لدھیانوی''، ص ۲۷

زندگی گزارنے کا عمل ایک خوشگوار فریضہ سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے اور شاید کیا جانا بھی چاہیے لیکن بہت سے لوگوں کے نزدیک زندگی پل صراط طے کرنے کی مترادف ہے۔ ساحر جیسے بے شمار فنکاروں نے جب عملی قدم اٹھایا ہوگا تو ان کے سامنے یہ سوال نہیں رہا ہوگا کہ زندگی گزاری کیسے جائے بلکہ ان کے سامنے تو اصل مسئلہ یہ ہوگا کہ زندہ رہا کیسے جائے۔ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک ادیب سب سے پہلے کتاب لکھنے، چھپوانے اور بیچنے کی تدبیر کرتا ہے اور یوں نہ صرف اپنے فن کا خون کرتا ہے بلکہ اس کا ضروریات زندگی سے سودا بھی کرتا ہے لہٰذا بے شمار صفِ اول کے فنکار دوسرے درجے کے فنکار بن جاتے ہیں۔ ساحر لدھیانوی کے ساتھ ملا جلا انداز سامنے آتا ہے لیکن یہ تو طے ہے کہ انہوں نے فن کی حرمت کا ہمیشہ پاس کیا اور اپنے فن کو ضرورتوں کے آڑے نہیں آنے دیا البتہ قیام پاکستان کے بعد بھوک سے مجبور ہو کر اپنی کتاب تلخیاں ایک پبلشر کے پاس پچاس روپے میں فروخت کر دی تھی اور اس پبلشر نے اس کتاب سے ہزاروں روپے کمائے۔

(بحوالہ بنجارے خواب، مضمون نگار زاہد عکاسی)

لدھیانہ کے جاگیردار کی اولاد ہونے کے باوجود وہ اپنے باپ کی دولت سے فیض یاب نہ ہو سکے۔ گیارہ شادیاں کرنے والے جاگیردار کی وہ واحد اولادِ نرینہ تھے مگر ماں اور ماموں نے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ اور ان کی لگن کا مثبت رویہ جو ساحر نے اپنایا وہ یہی تھا کہ اپنی ذات میں قلعہ بند نہیں ہونا بلکہ محنت، مشقت اور حرکت سے سماج میں اپنی جگہ بنانا ہے۔ افسردگی اور اضمحلال جمود کی علامت ہے جو فنکار کے فن کا خون کرتا ہے جبکہ سچا فنکار آفاقیت اور ابدیت کا پیغامبر ہوتا ہے اسے تنہائی میں نہیں بلکہ لوگوں کے گروہ میں سکون ملتا ہے اور جب وہ نعرہ بلند کرتا ہے تو بے شمار لوگوں کی آواز اس کے ساتھ بلند ہوتی ہے۔ ہاں اس پر افسردگی اور نراجیت کا دور بھی آتا ہے جب اسے یہ دیکھنا پڑے کہ لوگوں کو ان کا جائز حق نہیں مل پا رہا۔ طبقاتی اندھیر نگری میں انسانیت سوز سلوک انہیں بے چین کر دیتا ہے۔ ایسے میں ان کی فکر یوں بھی سامنے آتی ہے:۔

آئینہ حوادثِ ہستی میں میرے شعر
جو دیکھتا رہا ہوں وہ کہتا رہا ہوں میں
دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

زمانے کو پرکھنے کا ان کے پاس ایک معیار ہے جو محبت کا وہ حصار ہے جو اپنے اندر کسی کجی اور برائی کو جگہ پانے نہیں دیتا۔ جس کی کچھ شرائط اور اصول ہیں۔ ان دستور اور قوانین کی پابندی اور احترام کرنے والا ہی ان کے نزدیک مکمل انسان ہے:۔

دل کی تسکین بھی ہے آسائش ہستی کی دلیل
زندگی صرف زر و سیم کا پیمانہ نہیں
زیست احساس بھی ہے، شوق بھی ہے درد بھی ہے
صرف انفاس کی ترتیب کا افسانہ نہیں

ہمارے ہاں ہر انسان اندر سے عیش وعشرت کا دلدادہ ہے اور بظاہر غریبوں کا خیر خواہ اور ہمدرد۔ ساحر کی زندگی کی شروعات نچلے متوسط طبقے کی محرومیوں سے شروع ہوکر کروڑوں کی مالیت پر ختم ہوتی ہے۔ یوں زندگی کے نشیب وفراز سے وہ آشنا تھے۔ وہ شہرت پانے کے گُر سے بھی واقف تھے وہ جانتے تھے کہ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک غریبوں کے بجھتے دیئے کا راگ آلاپ کر نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے زیادہ تر گیت مزدور طبقے کے نوحے ہیں۔ محنت کش اور مظلوم طبقے سے ہونے والی ناانصافیاں ان کی نظموں کے موضوعات بنے تو عوام میں ان کی توقیر بڑھی:

آج سے اے مزدور کسانوں! میرے راگ تمہارے ہیں
فاقہ کش انسانو! میرے جوگ بہاگ تمہارے ہیں
جب تک تم بھوکے ننگے ہو، یہ شعلے خاموش نہ ہوں گے
جب تک بے آرام ہو تم، یہ نغمے راحت کوش نہ ہوں گے

وہ بیک وقت فن اور انسان کی محبت میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں بلکہ انسانیت ان کے فن کی تکمیلیت کا باعث ہے۔ اسی لیے قاری کے لیے ان کے فن کا ابلاغ مشکل نہیں کہ یہاں فنکار اور قاری دونوں کے دل کی دھڑکن ایک ہوجاتی ہے۔ ان کے دکھ سانجھے اور درد مشترک ہوجاتے ہیں ان کے فن کی تکمیلیت ان کی شخصیت کو بھی مکمل کرتی ہے شاید اسی لیے اپنے ادھورے پن کو شادی کی صورت میں مکمل کرنے سے اجتناب برتتے رہے۔ کمیونزم کے زیر اثر مرد اور عورت کے مفادات کے نظریئے نے انہیں شادی کے بندھن سے روکے رکھا بلکہ بقول ان کے بچائے رکھا۔ لیکن ان کے دل کی کیفیت کو امرتا پریتم یوں بے نقاب کرتی ہیں کہ:۔

> ''اس بار میں نے پہلی بار دیکھا کہ ساحر خود بھی رویا تھا وہ صرف رویا تھا لیکن اس نے اپنی برسوں کی خاموشی کے بارے میں مجھے کچھ نہ بتایا۔ یہ چپ اس کے اندر پتہ نہیں۔ کہاں تھی، کیسی تھی کہ جس تک اس کا اپنا ہاتھ بھی نہیں پہنچا تھا، یا شاید وہ اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا، پتہ نہیں۔''

(بحوالہ بنجارے کے خواب مرتب تاج سعید، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۶۳)

یاسیت اور کرب کی کیفیت کسی حد تک نارسائی کا روپ دھار کر یوں سامنے آتی ہے:۔

جانے وہ کیسے لوگ تھے
جن کے پیار کو پیار ملا
ہم نے تو جب کلیاں مانگیں
کانٹوں کا ہار ملا

ساحر نے فلمی گیت لکھے اور ان کے گیت ان کے نام سے یاد رکھے جاتے ہیں۔ وگرنہ عموماً ایسے گیت موسیقار یا گلوکار کے نام کے ساتھ ذہنوں میں رہ جاتے ہیں۔ ساحر نے ثابت کر دیا کہ اچھی شاعری شاعر کے نام کے ساتھ زندہ رہتی ہے اور تک بندی اور خالص شاعری میں یہی فرق ہے۔ ساحر نے فلمی گیتوں میں بھی ادبی شاعری کی ہے۔ مثلاً

ے چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں

ے حسن حاضر ہے محبت کی سزا پانے کو
کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

ے کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لیے
تو اب سے پہلے ستاروں میں بس رہی تھی کہیں
تجھے زمیں پہ بلایا گیا ہے میرے لیے

ے بابل کی دعائیں لیتی جا، جا تجھ کو سکھی سنسار ملے
میکے کی کبھی نہ یاد آئے، سسرال میں اتنا پیار ملے

اور ایسے بے شمار گیت اور نغمے ہیں جس میں غنائیت اور نغمگی اپنے سر بکھیرتی ہے لیکن اس کے ساتھ کہیں کہیں طنز کی گہری کاٹ بھی موجود ہے خصوصاً ان کی نظم ''تاج محل'':۔

ے اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

''ساحر لدھیانوی''، ص ۶۷

اسی طرح ایک نظم کا عنوان 'چکلے' ہے:۔

ـ تعفن سے پر نیم روشن یہ گلیاں
یہ مسلی ہوئی ادھ کھلی زرد کلیاں
یہ بکتی ہوئی کھوکھلی رنگ رلیاں
ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں

''ساحرلدھیانوی''،ص۶۸

ایسے میں ایک امید جاگتی ہے جو'طلوع اشتراکیت' کے نام سے پرانی تدبیروں کی شکست اور نئے سورج کی چمک کی نوید سناتی ہے۔یہ نوید ان کی کئی نظموں میں امید کی بشارت دیتی ہے مثلاً'بُلاوا'،ایک منظر،لمحۂ غنیمت۔

ساحر کی ترقی پسندی دلالت کرتی ہے اس کی امید پرستی پر،سرخ سویرے پر،اور پرندوں کی چہچہاہٹ میں جو اس کے قلب کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔اس کے طنز کے پیچھے بھی اس کی وہی انانیت موجود ہے جو اسے منفی اقدار سے سمجھوتہ کرنے نہیں دیتی وہ امن پسند ضرور ہے مگر فرسودہ روایات کا امین نہیں وہ جوش کی طرح گھن گرج کا شاعر نہیں مگر جبر واستبداد کے آگے اپنا سر نہیں جھکاتا۔یوں وہ جنگ سے شدید نفرت بھی کرتا ہے مگر ظلم کے خلاف احتجاجی آواز سے دستبردار بھی نہیں ہوتا:۔

ـ نہ منہ چھپا کے جئے ہم، نہ سر جھکا کے جئے
ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کر جئے
اب ایک رات اگر کم جئے، تو کم ہی سہی
یہی بہت ہے ہم مشعلیں جلا کر جئے

''کلیاتِ ساحر''،ص۱۸۱

ساؔحر کی سوچ اور فکر کس قدر تعمیری تھی وہ ان کے اپنے اس بیان کی روشنی میں اجاگر ہوتی ہے:۔

''میں سمجھتا ہوں کہ ہر نوجوان نسل کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اسے جو دنیا اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی ہے وہ آئندہ نسلوں کو اس سے بہتر اور خوبصورت دنیا دے کر جائے۔''

ساحر کی خوبصورت نظم ''پرچھائیاں'' اسی کوشش کا ادبی روپ ہے۔علی سردار جعفری اس نظم کے دیباچے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

''یہاں ساحر نے بڑی فنکاری سے اس ذلیل زندگی اور اس کے نظام کو بدلنے کے لیے جدوپیکار کا ولولہ انگیز پیام دیا ہے۔''

ـ ہمار پیار حوادث کی تاب لا نہ سکا
مگر انہیں تو مرا دوں کی رات مل جائے
ہمیں تو کشمکش مرگِ بے اماں ہی ملی
انہیں تو جھومتی گاتی حیات مل جائے

''کلیاتِ ساحر''،ص۱۷۳

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کی رائے صائب ہے کہ ساحر کے ہاں ایک زندہ اور توانا رومانی لے ملتی ہے۔

''جدید شاعری''، ص ۸۵

اس کی چند مثالیں ''کلیاتِ ساحر'' سے ملاحظہ ہوں:۔

ے زندگی بھیک میں نہیں ملتی زندگی بڑھ کے چھینی جاتی ہے
اپنا حق سنگ دل زمانے سے چھین پاؤ تو کوئی بات بنے

ے ہر وقت تیرے حسن کا ہوتا ہے سماں اور
ہر وقت مجھے چاہیے اندازِ بیاں اور

ے جو شخص مرگیا ہے وہ ملنے کبھی کبھی
پچھلے پہر کے سرد ستاروں میں آئے گا

ے موت آ گئی نہ ہو مرے ذوق امید کو
محرومیوں میں کیف سا پانے لگا ہوں میں

''کلیاتِ ساحر''، ص ۱۰۴

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ''ساحر لدھیانوی''، از کیفی اعظمی، کتب پبلشرز لمیٹڈ، بمبئی، ۱۹۴۸ء

۲۔ ''بنجارے کے خواب''، مرتب تاج سعید، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء

۳۔ ''کلیات ساحر''، خزینہ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۱ء

۴۔ ''جدید شاعری''، پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۹۳ء

۵۔ ''جدید اردو شاعری میں فطرت نگاری''، ڈاکٹر ناہید قاسمی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۲ء

☆ ساحر لدھیانوی کا اصل نام عبدالحئی تھا وہ ۸/ مارچ ۱۹۲۱ء کو لدھیانہ (بھارت) میں پیدا ہوئے اور بمبئی (بھارت) میں ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں تلخیاں، گاتا جائے بنجارا، پرچھائیاں، آؤ کہ کوئی خواب بُنیں، میں پل دو پل کا شاعر ہوں، شامل ہیں۔ جب کہ ادب لطیف، سویرا اور شاہراہ، دہلی کے مدیر بھی رہے۔ اس کے علاوہ انہیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔